(گذشتہ سے پیوستہ)

نوٹ:- پچھلی قسط نومبر ۸۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے

تذکرۂ انبیاء

علیہم السلام

از

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور

باب سوم ———— حضرت نوح علیہ السلام

فصل ۵

فصل ۵

قوم نوحؑ کا منکرانہ رویہ

حضرت نوحؑ کے بشر ہونے پر اعتراض

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ	اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا
قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	وہ کہنے لگے کہ یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم
يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ	جیسا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے
شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ	اللہ کو اگر بھیجنا ہوتا تو فرشتے بھیجتا۔ یہ بات تو
مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا	کبھی ہم نے اپنے باپ دادا سے سنی ہی نہیں کہ
الْاَوَّلِيْنَ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ	بشر رسول بن کر آئے (کچھ نہیں بس اس آدمی کو ذرا
جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى	جنون لاحق ہو گیا ہے۔ کچھ مدت اور دیکھ لو شاید
حِيْنٍ (المومنون۔ آیات ۲۴ تا ۲۵)	افاقہ ہو جائے)

یہ خیال تمام گمراہ لوگوں کی مشترک گمراہیوں میں سے ایک ہے کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے قرآن نے بار بار اس جاہلانہ تصور کا ذکر کر کے اس کی تردید کی ہے اور اس بات کو پورے زور کے ساتھ بیان کیا ہے کہ تمام انبیاء انسان تھے اور انسانوں کے لیے انسان ہی نبی ہونا چاہیے۔

حضرت نوحؑ پر اعتراض کیا گیا کہ:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اس کی قوم کے سرداروں نے کہا۔ ہمیں تو تم
مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا	اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتے کہ بس ایک انسان
مِّثْلَنَا (ھود۔ آیت ۲۷)	ہو ہم جیسے........

اس پر حضرت نوحؑ فرماتے ہیں کہ ہاں میں ایک انسان ہی ہوں۔ میں نے انسان کے سوا کچھ اور ہونے

کا دعویٰ کب کیا تھا؟ کہ تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو۔ میرا دعویٰ جو کچھ ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ خدا نے مجھے علم و عمل کا سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ اس کی آزمائش جس طرح چاہو کر لو۔ مگر اس دعویٰ کی آزمائش کا یہ کونسا طریقہ ہے کہ کبھی تم مجھ سے غیب کی خبریں پوچھتے ہو اور کبھی ایسے ایسے عجیب مطالبے کرتے ہو کہ گویا خدا کے خزانوں کی ساری کنجیاں میرے پاس ہیں اور کبھی اس بات پر اعتراض کرتے ہو کہ میں انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، اور چلتا پھرتا ہوں، گویا میں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ جس آدمی نے عقائد، اخلاق اور تمدن میں صحیح رہبری کا دعویٰ کیا ہے اس سے ان چیزوں کے متعلق جو چاہو پوچھو، مگر تم عجیب لوگ ہو جو اس سے پوچھتے ہو کہ فلاں شخص کی بھینس کٹڑا جنے گی یا ؟ گویا انسانی زندگی کے لیے صحیح اصولِ اخلاق و تمدن بتانے کا کوئی تعلق بھینس کے حمل سے بھی ہے

غریبوں کے قبولِ حق پر اعتراض

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ (ہود۔ آیت ۲۷)	اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ان لوگوں نے بے سمجھے بوجھے اختیار کی ہے جو ہمارے ہاں کے اراذل ہیں اور ہم کوئی چیز بھی ایسی نہیں پاتے جس میں تم لوگ ہم سے بڑھے ہوئے ہو۔

حضرت نوحؑ پر ایمان لانے والے زیادہ تر غریب لوگ، چھوٹے چھوٹے پیشہ ور لوگ، یا ایسے نوجوان تھے جن کی قوم میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ رہے اونچے طبقے کے بااثر اور خوشحال لوگ، تو وہ ان کی مخالفت پر کمربستہ تھے۔ اور وہی اپنی قوم کے عوام کو طرح طرح کے فریب دے دے کر اپنے پیچھے لگائے رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں جو دلائل وہ حضرت نوحؑ کے خلاف پیش کرتے تھے، ان میں سے ایک استدلال یہ بھی تھا کہ اگر نوحؑ کی دعوت میں کوئی وزن ہوتا۔ تو قوم کے امراء، علماء، مذہبی پیشوا، معززین اور سمجھدار لوگ اسے قبول کرتے۔ لیکن ان میں سے تو کوئی بھی اس شخص پر ایمان نہیں لایا ہے۔ اس کے پیچھے لگے ہیں ادنیٰ طبقوں کے چند نادان لوگ جو کوئی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ اب کیا ہم جیسے بلند پایہ لوگ ان بے شعور اور کمین لوگوں کے زمرے میں شامل ہو جائیں؟

اعتراض کی بنیاد اس مفروضے پر تھی کہ جو لوگ غریب، محنت پیشہ اور ادنیٰ درجہ کی خدمات انجام دینے والے ہیں یا معاشرے کے پست طبقات سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں کوئی ذہنی صلاحیت نہیں ہوتی اور وہ علم و عقل

اور سمجھ بوجھ سے عاری ہوتے ہیں، اس لیے نہ ان کا ایمان کسی فکر و بصیرت پر مبنی، نہ ان کا اعتقاد لائق اعتبار، اور نہ ان کے اعمال کا کوئی وزن۔

حضرت نوحؑ کا جواب

حضرت نوحؑ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میرے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ جو شخص میرے پاس آکر ایمان لاتا ہے اور ایک عقیدہ قبول کر کے اس کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے، اس کے اس فعل کی تہ میں کیا محرکات کام کر رہے ہیں اور وہ کتنی کچھ قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ ان چیزوں کا دیکھنا اور ان کا حساب لگانا تو خدا کا کام ہے، میرا اور تمہارا کام نہیں ہے۔

ان کی قدر و قیمت جو کچھ بھی ہے وہ ان کے رب کو معلوم ہے اور اسی کے حضور جا کر وہ کھلے گی۔ اگر یہ قیمتی جواہر ہیں، تو میرے اور تمہارے پھینک دینے سے پتھر نہ ہو جائیں گے اور اگر یہ بے قیمت پتھر ہیں تو ان کے مالک کو اختیار ہے کہ انھیں جہاں چاہے پھینکے۔

دوسری جگہ اس اعتراض کا ذکر یوں کیا گیا ہے:۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (الشعراء۔ آیت ۱۱۰)	انھوں نے جواب دیا "کیا ہم تجھے مان لیں، حالانکہ تیری پیروی ذلیل ترین لوگوں نے اختیار کی ہے؟"

یہ ان کے اعتراض کا دوسرا جواب ہے۔ ان کے اعتراض میں یہ بات بھی مضمر تھی کہ ایمان لانے والوں کا جو گروہ حضرت نوحؑ کے گرد جمع ہو رہا ہے یہ چونکہ ہمارے معاشرے کے ادنیٰ طبقات پر مشتمل ہے، اس لیے اونچے طبقوں میں سے کوئی شخص اس زمرے میں شامل ہونا گوارا نہیں کر سکتا۔ دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہہ رہے تھے کہ "اے نوحؑ کیا تم پر ایمان لا کر ہم اپنے آپ کو اراذل اور سفہاء میں شمار کرائیں؟ کیا ہم غلاموں، نوکروں اور کام پیشہ لوگوں کی صف میں آبیٹھیں؟

حضرت نوحؑ اس کا جواب یہ دیتے ہیں وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الشعراء آیت ۱۱۴) میں آخر یہ غیر معقول طرزِ عمل کیسے اختیار کر سکتا ہوں کہ جو لوگ میری بات نہیں مانتے ان کے تو پیچھے پھرتا رہوں؛ اور جو میری بات مانتے ہیں انھیں دھکے دے کر نکال دوں۔ میری حیثیت تو ایک ایسے بے لاگ آدمی کی ہے جس نے علی الاعلان کھڑے ہو کر پکار دیا ہے کہ جس طریقے پر تم لوگ چل رہے ہو یہ باطل ہے۔ اور اس پر چلنے کا انجام تباہی ہے اور جس طریقے کی طرف میں رہنمائی کر رہا ہوں اسی میں تم سب کی نجات ہے۔ اب جس کا جی چاہے میری اس تنبیہ کو

قبول کر کے سیدھے راستے پر آئے۔ اور جس کا جی چاہے۔ آنکھیں بند کر کے تباہی کے رستے پر چلتا رہے۔ میں یہ نہیں کر سکتا کہ جو اللہ کے بندے میری اس تنبیہ کو سن کر سیدھا راستہ اختیار کرنے کے لیے میرے پاس آئیں۔ ان کی ذات برادری، نسب اور پیشہ پوچھوں اور اگر وہ آپ لوگوں کی نگاہوں میں "کمین" ہوں۔ تو ان کو واپس کر کے اس انتظار میں بیٹھا رہوں کہ "شریف" حضرات کب تباہی کا راستہ چھوڑ کر نجات کی راہ پر قدم رنجہ فرماتے ہیں۔[1]

اقتدار طلبی کا الزام

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لا يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ (المومنون - آیت ۲۴)

اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا تھا وہ کہنے لگے کہ "یہ شخص نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے۔"

یہ بھی مخالفینِ حق کا قدیم ترین حربہ ہے کہ جو شخص بھی اصلاح کے لیے اٹھے۔ اس پر فوراً یہ الزام چسپاں کر دیتے ہیں کہ "کچھ نہیں بس اقتدار کا بھوکا ہے"۔ یہی الزام فرعون نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ پر لگایا تھا "کہ تم اس لیے اٹھے ہو کہ تمھیں ملک میں بڑائی حاصل ہو جائے"۔ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ (یونس-۷۸) یہی حضرت عیسیٰؑ پر لگایا گیا کہ یہ شخص یہودیوں کا بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ اور اسی کا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سرداران قریش کو تھا، چنانچہ کئی مرتبہ انھوں نے آپ سے یہ سودا کرنے

---

[1] ٹھیک یہی معاملہ ان آیات کے نزول کے زمانے میں نبیؐ اور کفارِ مکہ کے درمیان چل رہا تھا اور اسی کو نگاہ میں رکھنے سے یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے سرداروں کی یہ گفتگو یہاں کیوں سنائی جا رہی ہے۔ کفارِ مکہ کے بڑے بڑے سردار نبیؐ سے کہتے تھے کہ آخر بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ جیسے غلاموں اور کام پیشہ لوگوں کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے والوں کی صف سے یہ غریب لوگ نکالے جائیں۔ تب کوئی امکان اس کا نکل سکتا ہے کہ اشراف ادھر کا رخ کریں۔ ورنہ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ محمود و ایاز ایک صف میں کھڑے ہو جائیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بالکل صاف اور دو ٹوک الفاظ میں یہ ہدایت دی گئی۔ کہ حق سے منہ موڑنے والے متکبروں کی خاطر ایمان قبول کرنے والے غریبوں کو دھکے نہیں دیے جا سکتے۔

کی کوشش کی کہ اگر اقتدار کے طالب ہو تو اپوزیشن چھوڑ کر "حزبِ اقتدار" میں شامل ہو جاؤ تمھیں ہم بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔

دنیا پرستوں کی ذہنیت

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ ساری عمر دنیا اور اس کے مادّی فائدوں اور اس کی شان و شوکت ہی کے لیے اپنی جان کھپاتے رہتے ہیں، ان کے لیے یہ تصور کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ کہ اس دنیا میں کوئی انسان نیک نیتی اور بے غرضی کے ساتھ فلاحِ انسانیت کی خاطر بھی اپنی جان کھپا سکتا ہے۔ وہ خود چونکہ اپنا اثر و اقتدار جمانے کے لیے دلفریب نعرے اور اصلاح کے جھوٹے دعوے شب و روز استعمال کرتے رہتے ہیں اس لیے یہ مکاری و فریب کاری ان کی نگاہ میں بالکل ایک فطری چیز ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح کا نام مکر و فریب کے سوا کسی صداقت اور خلوص کے ساتھ کبھی لیا ہی نہیں جا سکتا، یہ نام جو بھی لیتا ہے ضرور وہ ان کا اپنا ہم جنس ہی ہوگا۔ اور لطف یہ ہے کہ مصلحین کے خلاف "اقتدار کی بھوک" کا یہ الزام ہمیشہ برسرِ اقتدار لوگ اور ان کے خوشامدی حاشیہ نشین ہی استعمال کرتے رہے ہیں۔ گویا خود انھیں اور ان کے آقایانِ نامدار کو جو اقتدار حاصل ہے وہ تو ان کا پیدائشی حق ہے۔ اس کے حاصل کرنے اور اس پر قابض رہنے میں وہ کسی الزام کے مستحق نہیں ہیں، البتہ نہایت قابلِ ملامت ہے وہ، جس کے لیے یہ "غذا" پیدائشی حق نہ تھی اور اب یہ لوگ اس کے اندر اس چیز کی "بھوک" محسوس کر رہے ہیں۔ اس جگہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جو شخص بھی رائج نظامِ زندگی کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے اٹھے گا۔ اور اس کے مقابلے میں اصلاحی نظریہ و نظام پیش کرے گا۔ اس کے لیے بہرحال یہ بات ناگزیر ہو گی کہ اصلاح کی راہ میں جو طاقتیں بھی سدِ راہ ہوں انھیں ہٹانے کی کوشش کرے اور ان طاقتوں کو برسرِ اقتدار لائے جو اصلاحی نظریہ و نظام کو عملاً نافذ کر سکیں۔ نیز ایسے شخص کی دعوت جب بھی کامیاب ہو گی، اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہو گا کہ وہ لوگوں کا مقتدا و پیشوا بن جائے گا اور نئے نظام میں اقتدار کی باگیں یا تو اس کے اپنے ہی ہاتھوں میں ہوں گی یا اس کے حامیوں اور پیروؤں کے ہاتھ ان پر قابض ہوں گے۔ آخر انبیاء و مصلحینِ عالم میں سے کون ہے، جس کی کوششوں کا مقصد اپنی دعوت کو عملاً نافذ کرنا نہ تھا اور کون ہے جس کی دعوت کی کامیابی نے فی الواقع اس کو پیشوا نہیں بنا دیا؟ پھر کیا یہ امرِ واقعی کسی پر یہ الزام چسپاں کر دینے کے لیے کافی ہے کہ وہ دراصل اقتدار کا بھوکا تھا اور اس کی اصل غرض وہی پیشوائی تھی جو اس نے حاصل کر لی؟

ظاہر ہے کہ بدنیت دشمنانِ حق کے سوا اس سوال کا جواب کوئی بھی اثبات میں نہ دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقتدار کے بجائے خود مطلوب ہونے اور کسی مقصدِ خیر کے لیے مطلوب ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اتنا ہی بڑا فرق، جتنا ڈاکو کے خنجر اور ڈاکٹر کے نشتر میں ہے۔ اگر کوئی شخص اس بنا پر ڈاکو اور ڈاکٹر کو ایک کر دے کہ دونوں بالارادہ جسم چیرتے ہیں اور نتیجہ میں مال دونوں کے ہاتھوں میں آتا ہے تو یہ صرف اس کے اپنے ہی دماغ کا یا دل کا قصور ہے۔ ورنہ دونوں کی نیت، دونوں کے طریق کار اور دونوں کے مجموعی کردار میں اتنا بڑا فرق ہوتا ہے کہ کوئی صاحبِ عقل آدمی ڈاکو کو ڈاکو اور ڈاکٹر کو ڈاکٹر سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا۔

سرداروں کی طرف سے عوام کو بھکانے کی مہم

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ (نوح - آیت ۲۲) — ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا ہے۔

مکر سے مراد ان سرداروں اور پیشواؤں کے وہ فریب ہیں جن سے وہ اپنی قوم کے عوام کو حضرت نوحؑ کی تعلیمات کے خلاف بھکانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ نوحؑ تمھیں جیسا ایک آدمی ہے، کیسے مان لیا جائے کہ اس پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے (الاعراف ۶۳ - ہود ۲۷)۔ نوحؑ کی پیروی تو ہمارے اراذل نے بے سوچے سمجھے قبول کرلی ہے، اگر اس کی بات میں کوئی وزن ہوتا تو قوم کے اکابر اس پر ایمان لاتے (ہود - ۲۷)۔ خدا کو اگر بھیجنا ہوتا تو کوئی فرشتہ بھیجتا (المومنون - ۲۴)۔ اگر یہ شخص خدا کا بھیجا ہوا ہوتا تو اس کے پاس خزانے ہوتے، اس کو علمِ غیب حاصل ہوتا اور یہ فرشتوں کی طرح تمام انسانی حاجات سے بے نیاز ہوتا (ہود - ۳۱)۔ نوحؑ اور اس کے پیروؤں میں آخر کونسی کرامت نظر آتی ہے جس کی بنا پر ان کی فضیلت مان لی جائے (ہود - ۲۷)۔ یہ شخص دراصل اپنی سرداری جمانا چاہتا ہے (المومنون - ۲۴)۔ اس شخص پر کسی جن کا سایہ ہے جس نے اسے دیوانہ بنا دیا ہے (المومنون - ۲۵)۔

سردارانِ قوم کی دھمکی

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (الشعراء - آیت ۱۱۵) — اے نوحؑ اگر تو باز نہ آیا تو پھٹکارے ہوئے لوگوں میں شامل ہو کر رہے گا۔

اصل الفاظ ہیں: لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم کو رجم کیا جائے گا یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ تم پر ہر طرف سے گالیوں کی بوچھاڑ کی جائے گی، جہاں جاؤ گے دھتکارے اور پھٹکارے جاؤ گے۔ عربی محاورے کے لحاظ سے یہ دونوں معنی لیے جا سکتے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ
إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ
إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ
مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ
اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ
فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَ
شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ
أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ
اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝
فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا
سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ
أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۚ وَأُمِرْتُ
أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝
(یونس۔ آیات ۷۱-۷۲)

ان کو نوحؑ کا قصہ سناؤ، اُس وقت جب اُس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ "اے برادرانِ قوم! اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات سنا سنا کر تمھیں غفلت سے بیدار کرنا تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے تو میرا بھروسہ اللہ پر ہے، تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو ساتھ لے کر ایک متفقہ فیصلہ کر لو۔ اور جو منصوبہ تمہارے پیشِ نظر ہو اس کو خوب سوچ سمجھ لو، تاکہ اس کا کوئی پہلو تمہاری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہے، پھر میرے خلاف اس کو عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ تم نے میری نصیحت سے منہ موڑا (تو میرا کیا نقصان کیا) میں تم سے کسی اجر کا طلبگار نہ تھا، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (خواہ کوئی مانے نہ مانے) میں خود مسلم بن کر رہوں۔"

خواہشِ عذاب

قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا
فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا
تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝
(ھود۔ آیت ۳۲)

آخر کار ان لوگوں نے کہا "اے نوحؑ! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کر لیا۔ اب تو بس وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو، اگر سچے ہو۔"

اضافی نوٹ از مرتبین:۔

جدال یا جھگڑے سے مراد حضرت نوحؑ کی طرف سے قوم کے گمراہانہ رویے پر وہ بحثیں اور گفتگوئیں ہیں جو ہر داعیٔ اصلاح کو کرنی پڑتی ہیں اور جو ہمیشہ اصلاح ناپذیر لوگوں کو ناگوار گزرتی ہیں جب کبھی کسی معاشرے میں کوئی شخص بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے کے لیے اٹھتا ہے تو اس کی دعوت ہر طرف ایک ذہنی

تموجزر پیدا کر دیتی ہے۔ لوگوں کی مجالس میں دن رات گفتگو میں ہونے لگتی ہیں اور آبادی میں ایک تصادم برپا ہو جاتا ہے۔ پہلے بے شک کے امتیاز کے بغیر زندگیاں گزارنے والے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم امن چین سے تھے کہ خواہ مخواہ کا ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ اسی احساس سے قوم نوحؑ کے سرداروں نے حضرت نوحؑ پر اعتراض کیا کہ تم نے ہمارے ساتھ ایک بحث بحثی اور ایک جھگڑا شروع کر کے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ اب تم وہ عذاب ہی لے آؤ جس کا ہمیں ڈراوا دیتے ہو تاکہ کسی طرح یہ قضیہ ختم ہو۔

عذاب الٰہی کا اس بے خوفی سے مطالبہ کرنا درحقیقت یہ معنی رکھتا ہے کہ مطالبہ کرنے والوں کو سرے سے اس بات کا یقین ہی نہیں کہ عذاب آ سکتا ہے، ورنہ وہ حضرت نوحؑ کی دعوت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔

عذاب جن قوموں پر بھی آیا ہے انھوں نے خود عذاب کو دعوت دی ہے۔ یہی حضرت نوحؑ کی قوم نے بھی کیا۔ قوم نوحؑ نے پہلے اعتراضات اٹھائے، پھر دھمکی دی، پھر عذاب کی خواہش کی۔ نتیجہ یہ کہ عذاب آ کے رہا۔

پتہ لکھیں

ایک رفیق نے مہاجرین فنڈ کے لیے مبلغ اسی (۸۰) روپے ایڈیٹر ترجمان القرآن کی معرفت بھجوائے ہیں۔ کوپن پر انھوں نے پتہ نہیں لکھا۔ اب براہ کرم وہ پتہ سے مطلع کریں، تاکہ رسید بھجوائی جا سکے۔

(ادارہ)